© rasailojaraid.com

ذوالقرنین اور سدِّ سکندری

از جناب مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی

اسلامی مسائل میں مستشرقین یورپ کو یہ کمال حاصل ہے کہ وہ اکثر تاریخی حقائق کو نظر انداز کرکے اپنے اندازے اور قیاس سے چند ایسے مقدمات وضع کر لیتے ہیں جن سے ان کو اپنے مزعومات اور خیالات میں مدد ملے اور اسلام بلکہ قرآنِ عزیز کے بیان کردہ حقائق کی تردید کی جا سکے۔

چنانچہ اصحابِ رقیم (پیٹرا) کے متعلق قرآنِ عزیز نے جب چند حقائق کا اظہار کیا اور موعظت و عبرت کے لئے ان کے حالات و واقعات کو روشنی میں لایا تو ناواقفیت اور جہل کو چھپانے یا ازراہِ تعصب قرآن کی تکذیب کے لئے رقیم (پیٹرا) کے وجود ہی سے انکار کر دیا اور جراتِ بے جا کے ساتھ یہ کہہ دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عرب کے سنے سنائے جھوٹے قصے کو وحی الٰہی کہکر بیان کر دیا ہے۔ مگر جب قدرت کے ہاتھوں نے قرآن کے اعلانِ حق کے تیرہ سو سال کے بعد پیٹرا کو ٹھیک اسی مقام پر ظاہر کر دیا اور اسکے عظیم الشان کھنڈر اپنے وجود کا اعلان کرنے لگے تو ان کو حقیقت کے سامنے سر جھکانا پڑا اور ندامت و شرمساری کے ساتھ قرآنِ عزیز کے اعلان حق کو تسلیم کئے بغیر ان کے لئے کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔

اسی طرح جب قرآنِ عزیز نے تفصیل کے ساتھ یہ بتایا کہ بنی اسرائیل ایک طویل عرصہ تک مصر میں فراعنۂ مصر اور قبطیوں کے غلام رہے ہیں اور موسیٰ (علیہ السلام) نے صدیوں کے بعد ان کو خدا کے بخشے ہوئے اعجاز کے ذریعہ نجات دلائی، اور اس مسئلہ میں توراۃ نے بھی ایک حد تک قرآن عزیز اور وحی الٰہی کے علم و یقین کا ساتھ دیا۔ مگر اس کے باوجود ان مدعیانِ علم نے ایک عرصہ تک بنی اسرائیل کی غلامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا انکار کیا اور علمِ حقیقی کی تکذیب کے درپے رہ کر اس کا مذاق اڑایا مگر مصری حفریات نے جب فرعون کے مشہور سنگی کتبہ کا انکشاف کرایا اور کتبہ کی کندہ عبارت نے بنی اسرائیل کی غلامی پر گونہ روشنی ڈالی تو آہستہ آہستہ جہل نے علم کے سامنے شکست قبول کرلی اور اب ان نظریات میں بھی تبدیلی ہونے لگی جو فلسفۂ تاریخ کے نام پر ظن و تخمین سے قائم کئے گئے تھے اور جن کو علم کا درجہ دیا گیا تھا یہاں تک کہ اب انکار اقرار کی شکل میں تبدیل ہونے لگا۔

ٹھیک اسی طرح ذوالقرنین، یاجوج ماجوج اور سد کا معاملہ ہے۔ قرآن عزیز نے ایک ایسے بادشاہ کا تذکرہ کیا ہے جس کا لقب ذوالقرنین ہے اور جس نے مشرق و مغرب تک فتوحات کیں اور دوران فتوحات میں ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں کے بسنے والوں نے اس سے یہ شکایت کی کہ یاجوج وماجوج ہم کو ستاتے اور وحشیانہ حملے کرکے فساد مچاتے اور بربادی لاتے ہیں آپ ہم کو ان سے نجات دلائیے۔ ذوالقرنین نے یہ سُن کر ان کو تسلی و تشفی دی اور لوہے اور تانبے کو پگھلا کر دو پہاڑوں کے درمیان ایک ایسی دستہ قائم کردی کہ شکایت کرنے والے یاجوج وماجوج کے فتنہ سے محفوظ ہو گئے۔

مستشرقینِ یورپ نے جب اس واقعہ کا مطالعہ کیا تو حسبِ عادت اپنے پیشرو مشرکینِ مکہ اور کفارِ عرب کی طرح فوراً یہ کہدیا۔

ان ھی الا اساطیر الاولین یہ (قرآن) کچھ نہیں ہے مگر پہلے لوگوں کی من گھڑت کہانیاں۔

اور بڑے زور شور کے ساتھ یہ دعویٰ کیا کہ ذوالقرنین کا یہ قصہ اخبارِ قرآنی کا اعجاز اور عبرت و موعظت کیلئے حقیقی واقعہ نہیں ہے بلکہ عرب کی ایک فرسودہ داستان اور بے سروپا کہانی کو وحی الٰہی کی حیثیت دیدی گئی ہے۔ ورنہ تاریخی دنیا میں ذوالقرنین اور یاجوج وماجوج کی شخصیتیں اور سدِ ذوالقرنین کا وجود کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

ایسی صورت میں ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ نہ صرف اپنے ذاتی اعتقاد کی بنا پر بلکہ تاریخی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نقطۂ نگاہ سے یہ واضح کرے کہ قرآنِ عزیز کا بخشا ہوا علم اور وحی الٰہی کا عطا کیا ہوا یقین دوسرے مختلف فیہ مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی اپنی جگہ علم، یقین اور حقیقت ہے اور معترضین کا انکار بلاشبہ جہل، ظن و تخمین، اور باطل مزعومات کا طومار ہے اور ان تاریخی حقیقتوں کا انکار بیجا تعصب اور ہٹ دھرمی کی راہ سے ہے نہ کہ اظہارِ حقیقت کے پیش نظر۔

پس آج کی صحبت میں ہماری بحث کا روئے سخن یہی مسئلہ ہے اور ہماری خواہش ہے کہ اس سلسلہ کے تمام رطب و یابس کے بیان کر دینے کے بعد حقیقتِ حال کو منصۂ شہود اور منظرِ عام پر لایا جائے، تاکہ حق و باطل میں امتیاز ہو سکے۔ اور گمراہی ہدایت سے بدل جائے۔ لیکن اصل بحث سے پہلے یہ واضح ہو جانا ضروری ہے کہ قرآنِ عزیز نے اپنے مقصد "موعظت و عبرت" کے پیش نظر جس صاف اور سادہ رنگ میں اس واقعہ کو بیان کیا تھا۔ اسرائیلی روایات اور ان کی پیروی میں مفسرین و مورخین نے اس کے بالکل برعکس ایسے عجوبہ اور دور از کار باتوں سے مزین کر کے پیش کیا کہ بڑی حد تک حقیقتِ حال مستور ہو گئی اور نئے نئے قسم کے الجھاؤ پیدا ہو گئے۔ اور اس پر کسی عقلمند کا یہ مقولہ صادق آنے لگا کہ "جو شے جسقدر زیادہ مشہور ہوتی ہے وہ اسی قدر حقیقت سے دور ہوتی جاتی ہے۔" چنانچہ اس واقعہ کے تحلیل و تفصیل کے بعد عنقریب یہ حقیقت آشکار ہو جائیگی۔

ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ اس بحث سے قبل کہ ذوالقرنین کا مصداق کون سی شخصیت ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ اس ہستی کو ذوالقرنین کیوں کہا گیا اور کیا یہ لقب قرآن عزیز کا دیا ہوا ہے یا اس کے بارہ میں یہ تخیل قرآنِ عزیز سے پہلے قائم ہو چکا تھا اور قرآن عزیز نے اسکو صرف روشناس کرایا ہے۔

مشہور حافظِ حدیث، جلیل القدر مفسر اور ممتاز ترین ناقد و مبصر مورخ علامہ عماد الدین بن کثیر نے اپنی تفسیر اور تاریخ میں ابن جریر نے اپنی شہرۂ آفاق تاریخ میں اور ابن عساکر، ابن خلکان، ابن اثیر، ابن خلدون نے اپنی اپنی تاریخوں میں مسعودی نے مروج الذہب میں پھر متاخرین میں بستانی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرید وجدی نے دائرۃ المعارف میں اسی طرح انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں اس لقب سے ملقب ہونے کے جو وجوہ نقل کئے گئے ہیں اور عربی اور عبرانی روایات بیان کی ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) ذوالقرنین اس لئے کہا گیا کہ وہ روم و فارس دو مملکتوں کا مالک تھا اور قرن جس کا ترجمہ سینگ ہے بطور استعارہ کے طاقت و حکومت کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے یعنی دو حکومتوں کا مالک و والی۔ یہ اہلِ کتاب کی رائے ہے۔ اور بعض مفسرین اسلام بھی اس کے مؤید ہیں۔

(۲) اس کے سر میں سینگ کے مشابہ دونوں جانب میں دو غدود اُبھرے ہوئے تھے۔ یہ وہب بن منبہ کی رائے ہے۔

(۳) وہ فتوحات کرتا ہوا مشرق و مغرب تک پہنچا اور دونوں جہت میں بہت سے ممالک پر قابض و مسلط بنا۔ یہ زہری کا قول ہے۔

(۴) اس کی زلفیں دراز تھیں اور وہ ہمیشہ اپنے بالوں کو دو حصے کر کے اور ان کی پٹیاں گوندھ کر دونوں کاندھوں پر ڈالے رکھتا تھا۔ ان دونوں کو قرن سے تشبیہ دیکر یہ لقب دیا گیا۔ یہ قول حسن بصریؒ کی طرف منسوب ہے۔

(۵) اس نے ایک جابر بادشاہ کو یا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی بادشاہ یا قوم نے غضبناک ہو کر اس کے سر کے ایک جانب میں سخت چوٹ لگائی اور جب اس پر بھی اس نے دعوت توحید کو جاری رکھا تو دوسری جانب چوٹ مار کر اس کو شہید کر دیا۔ اس ضرب سے اس کے سر پر جو دو نشان پڑ گئے تھے ان کی وجہ سے اس کو یہ لقب دیا گیا۔ اس توجیہ کو حضرت علیؓ کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔

(۶) وہ نجیب الطرفین تھا اسلئے والد اور والدہ کی نجابت کو قرن کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور ذوالقرنین کہا گیا۔

(۷) اس نے اسقدر طویل عمر پائی کہ انسانی دنیا کے دو قرن (صدیوں) تک زندہ رہا۔

© rasailojaraid.com

(۸) وہ جب جنگ کرتا تھا تو بیک وقت دونوں ہاتھوں سے ہتھیار چلاتا بلکہ دونوں رکابوں سے بھی ٹھوکر لگاتا تھا۔

(۹) اس نے زمین کی تاریکی اور روشنی دونوں حصوں کی سیاحت کی۔

(۱۰) وہ ظاہر اور باطن دونوں علوم کا حامل تھا۔[1]

ان تمام توجیہات کے مطالعہ سے بآسانی اندازہ ہو سکتا ہے کہ ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ میں حقیقتِ حال کے انکشاف کی جانب متوجہ ہونے کے بجائے جس قدر بھی عقلی احتمالات ہو سکتے تھے وہ سب ہی بیان کر دیئے گئے ہیں اور ہر ظن اور ہر وہم کو روایت کہہ کر اہم بنانے کی سعی کی گئی ہے حتیٰ کہ مشہور تابعی اور اسرائیلی روایات کے مدار وہب بن منبہ سے تو یہاں تک نقل کر دیا گیا کہ ذوالقرنین کا لقب اسلئے دیا گیا کہ بادشاہ کے سر میں واقعی تانبے کے رنگ کے دو ابھرے ہوئے سینگ کے نشان موجود تھے۔[2]

مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن میں اس قول کو ترجیح دی ہے کہ قرنین سے مراد دو حکومتوں کا قران السعدین ہے جو ذوالقرنین کی سطوت کے ہاتھوں انجام پایا۔ اور ان دو حکومتوں کی تعیین کرتے ہوئے جس کی وجہ سے یہ بادشاہ ذوالقرنین کہلایا؛ یہ ثابت کیا ہے کہ اس سے میڈیا (ماده) اور فارس کی حکومتیں مراد ہیں جو صدیوں تک الگ الگ رہیں اور جب اس بادشاہ کے زمانہ میں دونوں ایک ہی حکمرانی میں آگئیں تو حکمران اور اس کی قوم کی عظیم الشان سطوت و حشمت کا باعث بنیں اور شرق و غرب تک حکمران کی وسعتِ مملکت کا ذریعہ ثابت ہوئیں۔

اور انھوں نے قیاس و تخمین سے الگ ہو کر تاریخی حقائق اور حفریاتِ فارس سے یہ ثابت کیا ہے کہ "ذوالقرنین" کا یہ لقب قرآنِ عزیز کا ایجاد نہیں ہے بلکہ بنی اسرائیل اپنے انبیاء علیہم السلام کی پیشگوئیوں کی بنا پر اور اہل فارس و عراق اس کی حیرت ناک سطوت اور میڈیا و فارس کے قران السعدین کے

[1] دائرۃ المعارف بستانی جلد ۷ صفحہ ۶۷۱ ـ [2] جلد ۲ صفحہ ۳۹۹ و ۴۰۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیش نظر شروع ہی سے اس کو اس لقب سے یاد کرتے اور اس کے متعلق ایک خاص تخیل رکھتے تھے اور اس لقب سے ملقب شخصیت کی تعیین کرتے ہوئے اپنی تحقیق کی تائید میں ۱۹ سطر کے ایک مرمرین مجسمے کو پیش کرتے ہیں جو حفریاتِ فارس کی بدولت ہاتھ آیا ہے اور جس میں فارس و میڈیا کی مشترک حکومت کے ایک بادشاہ سائرس (کیخسرو) کو اس طرح دکھایا ہے کہ گویا وہ ایک فرشتۂ غیبی ہے جس کے دونوں بازوؤں پر پر ہیں اور سر پر دو سینگ ظاہر کئے گئے ہیں اور مقدسین کا لباس زیب تن ہے۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ عظیم الشان سطوت وصولت اور زبردست فتوحات کے باوجود اس ہستی کی اخلاقی اور روحانی سربلندی اور خدا ترسی و خدارسی اس درجہ مسلّم تھی کہ اس کی قوم نے اس کو انسانیت سے بالاتر ظاہر کرتے ہوئے اس کے متعلق ملکوتی تخیل قائم کر لیا تھا، اور فارس و میڈیا کو اس کی طاقت و قہرمانیت کے دو سینگ قرار دیکر اسکے مجسمہ میں ان کو محسوس دکھایا ہے اور یہود بھی اس تمثیل میں ہمنوا تھے

اور حافظ عماد الدین ابن کثیر نے ان اقوال میں سے اس قول کو قریب بہ صواب بتایا ہے کہ "چونکہ وہ مشرق و مغرب دونوں کناروں تک پھر آیا تھا اور دونوں سمت میں فتوحات بھی کی تھیں اسلئے ذوالقرنین کے لقب سے مشہور ہوا۔ گویا مطلع الشمس اور مغرب الشمس کو قرنین (دو سینگ) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

بہرحال مسطورہ بالا تمام احتمالات و اقوال میں سے قابل ترجیح اور معقول دو ہی قول نظر آتے ہیں۔

(الف) یہ کہ "قرنین" کی تشبیہ مشرق و مغرب کی سیاحت و فتوحات کی وجہ سے ہے۔

(ب) یہ کہ یہ تشبیہ دو حکومتوں کی متفقہ شاہنشاہیت کی جانب اشارہ ہے کہ جن کے قران السعدین سے ذوالقرنین کی شخصیت میں امتیازی شان پیدا ہوئی اور اس کو اس لقب سے ملقب کیا جانے لگا۔

مگر ان دو حکومتوں سے فارس اور روم مراد نہیں ہو سکتے جیسا کہ مسطورہ بالا اقوال میں سے کسی قول میں ظاہر کیا گیا ہے اسلئے کہ یہ قول ان حضرات کا مختار ہے جو ذوالقرنین کو سکندرِ مقدونی سمجھتے

© rasailojaraid.com

ہیں اور آئندہ سطور سے معلوم ہوگا کہ یہ خیال قطعاً باطل اور قرآنِ عزیز کی تصریحات کے خلاف ہے۔

پس اس دوسری تشبیہ کے پیشِ نظر قرین صواب وہ قول نظر آتا ہے جس کو نہایت بسط کے ساتھ مولانا آزاد نے ترجمان القرآن میں بیان کیا ہے

ذوالقرنین کی شخصیت

اب اس مسئلہ کو اسی حد پر رہنے دیجئے اور آگے بڑھ کر یہ زیرِ بحث لائیے کہ قرآنِ عزیز نے جس کو ذوالقرنین کہا ہے وہ کس شخصیت کا لقب ہے؟ تاکہ نفس مسئلہ پر روشنی پڑ سکے اور اس کے ضمن میں لقب کی تشریح و ترجیح کا مسئلہ بھی حل ہو جائے۔

قرآنِ عزیز میں ذوالقرنین کے واقعہ کا آغاز اس طرح ہوا ہے کہ ایک مرتبہ یہود کی تلقین پر مشرکین مکہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر یہ سوال کیا کہ اگر آپ خدا کے سچے نبی اور رسول ہیں تو بتائیے کہ ذوالقرنین کا واقعہ کیا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا اور وحی الٰہی کا انتظار کیا اس پر یہ آیات نازل ہوئیں [1]۔

یسئلونک عن ذی القرنین قل	(اے پیغمبر) تم سے ذوالقرنین کا حال دریافت کرتے ہیں۔ تم
سأتلوا علیکم منہ ذکرا انا	کہدو میں اس کا کچھ حال تمہیں (قرآن میں) پڑھ کر سنا دیتا ہوں
مکنا لہ فی الارض وآتیناہ من	ہم نے اسکو زمین میں حکمرانی دی تھی اور اس کیلئے ہر قسم کا
کل شیء سببا فاتبع سببا	سازوسامان مہیا کر دیا تھا تو اس نے (ایک مہم کا) سامان کیا
حتی اذا بلغ مغرب الشمس	یہاں تک کہ (پچھم کی جانب چلتے چلتے) سورج کے ڈوبنے کی
وجدھا تغرب فی عین حمئۃ	جگہ پہنچ گیا تو سورج ایسا دکھائی دیا کہ وہ دلدل کی جھیل میں
ووجد عندھا قوما قلنا یا	ڈوب رہا ہے اور وہاں لوگوں کو (بھی آباد) پایا ہم نے کہا
ذا القرنین اما ان تعذب و	اے ذوالقرنین (اب تجھ کو اختیار ہے کہ) تو ان لوگوں کو تکلیف

[1] روح المعانی جلد ۱۵ سورۂ کہف۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اما ان تتخذ فیھم حسنا ۰ قال — اور عذاب میں ڈالے یا ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ
اما من ظلم فسوف نعذبه — کرکے ان کو اپنا بنالے ذوالقرنین نے کہا کہ جو شخص بھی سرکشی
ثم یرد الی ربه فیعذبه — کریگا اور بے انصافی تو ہم اس کو ضرور سزا دینگے پھر اس کو اپنے
عذابا نکرا ۰ واما من آمن — پروردگار کی طرف لوٹنا ہے اور وہ اس کو سخت عذاب میں
وعمل صالحا فله جزاء — مبتلا کریگا اور جو ایمان لائیگا اور اچھے اعمال کریگا تو اسکے بدلے
الحسنی ۰ وسنقول له من — اسے بھلائی ملیگی اور ہم اسکو اپنے ایسے ہی حکم دینگے کہ جس
امرنا یسرا ۰ ثم اتبع سببا ۰ — میں اس کیلئے راحت و آسانی ہو ۔ پھر اس نے ایک (مہم کا
حتی اذا بلغ مطلع الشمس — سامان کیا یہانتک کہ جب (پورب کی جانب چلتے چلتے) سورج
وجدها تطلع علی قوم لم — کے نکلنے کی جگہ پہنچا تو اس نے دیکھا کہ سورج ایسی قوم پر نکلتا
نجعل لھم من دونھا سترا ۰ — ہے کہ ہم نے اس کے اور سورج کے درمیان کوئی آڑ نہیں رکھی
کذلک ۰ وقد احطنا بما — ہے (واقعہ) یونہی ہے ۔ اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ تھا ہمیں
لدیه خبرا ۰ ثم اتبع سببا ۰ — اس کی پوری پوری خبر ہے ۔ پھر اس نے ایک (مہم) کا سامان
حتی اذا بلغ بین السدین — کیا یہانتک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا تو وہاں اس نے
وجد من دونھما قوما لا یکادون — پہاڑوں کے ورے ایسے لوگوں کو پایا کہ جو بات ان سے کہی جائے
یفقھون قولا ۰ قالوا یذا القرنین — وہ نہیں سمجھتے ۔ وہ (اپنی زبان میں) کہنے لگے اے ذوالقرنین
ان یاجوج وماجوج مفسدون — یاجوج اور ماجوج اس ملک میں آکر لوٹ مار کرتے ہیں، کیا ایسا
فی الارض فھل نجعل لک خرجا — ہو سکتا ہے کہ ہم تیرے لئے خراج مقرر کردیں اس شرط پر کہ تو ہمارے
علی ان تجعل بیننا وبینھم سدا ۰ — اور ان کے درمیان ایک روک بنادے ذوالقرنین نے کہا میرے
قال ما مکنی فیه ربی خیر — پروردگار نے جو کچھ مجھ کو دے رکھا ہے وہ میرے لئے بہتر ہے (تمہارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فاعینونی بقوۃ اجعل بینکم
وبینہم ردماً آتونی زبر
الحدید حتی اذا ساوی
بین الصدفین قال انفخوا حتی
اذا جعلہ ناراً قال آتونی افرغ
علیہ قطراً فما اسطاعوا
ان یظہروہ وما استطاعوا لہ
نقباً قال ہذا رحمۃ من
ربی فاذا جاء وعد ربی جعلہ
دکاء وکان وعد ربی حقاً
وترکنا بعضہم یومئذ یموج
فی بعض ونفخ فی الصور فجمعنٰہم
جمعاً

خرچ کی حاجت نہیں ہے) مگر اپنی قوت سے اس کام میں میری
مدد کرو میں تمہارے اور یاجوج ماجوج کے درمیان ایک مضبوط
دیوار بنا دونگا۔ اس نے کہا تم میرے لئے لوہے کی سلیں مہیا کردو
(اور سامان مہیا ہونے کے بعد) جب دونوں پہاڑوں کے درمیان
دیوار اٹھا کر ان کے برابر کردی تو حکم دیا کہ اسکو دھونکو یہانتک کہ
جب اسکو (دھونک دھونک کر) لال انگارا کردیا تو کہا کہ پگھلا ہوا
تانبا لاؤ کہ اس پر انڈیل دیں کہ پھر یاجوج ماجوج اس پر نہ چڑھ سکیں
اور نہ سوراخ کرسکیں۔ ذوالقرنین نے (اس سے فارغ ہوکر) کہا کہ
یہ سب میرے پروردگار کی مہربانی ہے پھر جب میرے پروردگار کا وعدہ
آئیگا تو وہ اس کو ڈھا کر ریزہ ریزہ کردیگا اور میرے پروردگار کا
وعدہ سچا ہے اور اس وعدے کے دن ہم اُن یاجوج ماجوج کو ایسا
کردینگے کہ بھیڑ میں ایک دوسرے کے اندر دھنسیں مار رہے ہیں اور
پھونک مارینگے ہم صور میں پھر جمع کرلائینگے ہم ان سب کو۔

سورۂ کہف کی ان آیات کے شان نزول کو پیش نظر رکھنے اور ان کے معانی پر بہ نظر امعان غور کرنے سے حسب ذیل چند امور صاف اور نمایاں طور پر واضح ہوتے ہیں۔

(۱) یہ واقعہ کسی نہ کسی انداز میں بنی اسرائیل کے یہاں جانا بوجھا واقعہ تھا۔

(۲) یہود نے اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کی حقیقت کے متعلق خود استفسار کیا یا مشرکین مکہ سے استفسار کرایا تاکہ آپ کی صداقتِ رسالت کا امتحان کریں۔

(۳) جس شخص کی نسبت یہود نے سوال کیا ہے وہ ان کے یہاں پہلے سے ذوالقرنین کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نام سے مشہور تھا، قرآنِ عزیز نے اس کیلئے یہ لقب از خود تجویز نہیں کیا۔ آیۃ "یسئلونك عن ذی القرنین" ان چہارگانہ امور کی جانب اشارہ کرتی ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس کیلئے حکمرانی کے تمام ساز و سامان عطا فرمائے تھے اور وہ زبردست حکمران تھا: "انا مکنا لہ فی الارض و اٰتیناہ من کل شیء سببا"۔

(۵) اس کی تین مہمیں قابلِ ذکر ہیں۔ مغربی کنارہ تک پہنچنا، مشرقی کنارہ تک جانا، اور ایسے مقام تک پہنچنا جہاں پہاڑی درہ تھا اور دو پہاڑوں کے اتصال سے پرے ایک قوم یاجوج ماجوج آباد تھی جو درے سے باہر آکر لوٹ مار مچایا کرتی تھی: "حتی اذا بلغ مغرب الشمس" "حتی اذا بلغ مطلع الشمس" "حتی اذا بلغ بین السدین وجد من دونھما قوما" "قالوا یاذا القرنین ان یاجوج و ماجوج مفسدون فی الارض" الآیات

(۶) اس نے درہ میں ایک مضبوط دیوار (سد) قائم کردی اور اس جانب سے یاجوج و ماجوج کی راہ بند ہو گئی: "قال ما مکنی فیہ ربی" (الیٰ) "فما استطاعوا لہ نقبا" الآیہ

(۷) یہ سد ایسی جگہ قائم ہے جہاں قدرتی طور پر دو پہاڑوں کے درمیان درہ ہے اور لوہے اور تانبے کی آمیزش سے بنائی گئی ہے۔

(۸) وہ ایک عادل اور منصف حکمران تھا اس لئے اس نے مغربی سفر میں قوموں کے سامنے یہ اعلان کردیا کہ ظالم اور سرکش کو تو ضرور سزا دی جائے گی لیکن نیکوکاروں کیلئے کوئی خطرہ نہیں: "قال اما من ظلم فسوف نعذبہ (الیٰ) و اما من اٰمن و عمل صالحا فلہ جزاء ن الحسنیٰ"۔

(۹) وہ مسلمان اور خدا رسیدہ بادشاہ تھا اور آخرت پر یقین رکھتا تھا: "ثم یرد الی ربہ فیعذبہ عذابا نکرا" "قال ھذا رحمۃ من ربی (الیٰ) و کان وعد ربی حقا"۔

(۱۰) وہ طامع و حریص نہ تھا اور خدا کی مخلوق پر شفیق اور مہربان تھا کیونکہ جب تیسری مہم میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک قوم نے یاجوج و ماجوج سے بچنے کیلئے سد قائم کر دینے کی درخواست کرتے ہوئے خراج (معاوضہ) ادا کرنے کا وعدہ کیا تو اس نے یہ کہکر انکار کر دیا "ما مکنی فیہ ربی خیر" میرے لئے وہ بہت کافی ہے جو کچھ خدا نے مجھے دے رکھا ہے۔

ذوالقرنین کے بارہ میں قرآنِ عزیز کے بتائے ہوئے یہ امتیازات کس بادشاہ میں جمع ہیں اور کون شخص ان خصوصیات کا واقعی حامل ہے۔ مورخین و مفسرین کو اس کے متعلق سخت حیرانی ہے اور وہ آپس میں بہت زیادہ مختلف نظر آتے ہیں؟

امام رازی رحمہ اللہ اور ان کے اتباع میں سید آلوسی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ یہ سکندر یونانی (رومی) ہے اور اس کو سکندر مقدونی بھی کہتے ہیں۔ لیکن اس دعوی کے باوجود جو اعتراضات اس قول پر وارد ہوتے ہیں ان کی قوت کا بھی اعتراف کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ قرآنِ عزیز کا ذوالقرنین بلاشبہ مسلمان خدا پرست اور آخرت پر یقین رکھنے والا تھا اور سکندر مسلمان نہ تھا جبکہ مشہور یونانی فیلسوف ارسطو اس کا استاذ اور اتالیق تھا۔

امام رازی رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اگرچہ ارسطو اس کا وزیر اور استاذ ضرور تھا لیکن یہ ضروری نہیں کہ شاگرد اور بادشاہ بھی اپنے استاد و وزیر کا ہم مشرب ہو حتیٰ کہ ملا نظام الدین شیرازی کے حوالہ سے یہانتک ثابت کر دیا کہ خود ارسطو بھی کافر نہ تھا۔

لیکن امام صاحب کا یہ جواب منطقی اعتبار سے صحیح ہو تو ہو تاریخی لحاظ سے درست نہیں ہے اسلئے کہ سکندر مقدونی کی تاریخ کا یہ مسلمہ باب ہے کہ وہ یونانیوں کے قدیم مذہب "دیوتاؤں کی پرستش" کا مقلد تھا اور یقیناً وہ ہرگز مسلمان نہ تھا۔ رہا ارسطو تو اس کا فلسفۂ الہیات آج بھی مدون موجود ہے اور ادنیٰ بصیرت سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلامی الہیات اور یونانی فلسفۂ الہیات میں کس قدر بُعدِ بعید ہے؟ اس کے علاوہ سکندر باتفاق اصحابِ تاریخ جابر و قاہر تھا نہ کہ نیک سیرت و نیک نفس، نیز یہ بات بھی مسلمات میں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اس کی فتوحات اور سیاحت کا سلسلہ مغرب کی جانب نہیں بڑھا۔ اسلئے امام صاحب کا اس بارہ میں بے دلیل کلی تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ بہر حال تفسیر کبیر اور روح المعانی کے مطالعہ سے یہ صاف نظر آتا ہے کہ سکندر مقدونی کو ذوالقرنین تسلیم کرنے میں خود امام صاحب اور سید آلوسی کو بھی اطمینان نہیں ہے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں اس قول کو بہت سختی کیساتھ رد کیا ہے فرماتے ہیں۔

وانما نبھنا علیہ لان کثیرا من الناس یعتقد انھما واحد وان المذکور فی القرآن ھو الذی کان ارسطاطالیس وزیرہ فیقع بسبب ذلک خطأ کبیر و فساد عریض طویل کثیر فان الاول کان عبدا مومنا صالحا وملکا عادلا وکان وزیرہ الخضر وقد کان نبیا علی ما قرّرناہ قبل ھذا واما الثانی فکان مشرکا وکان وزیرہ فیلسوفا۔[۵]

ہم نے اس پر اسلئے متنبہ کردیا کہ بہت سے لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ دونوں ایک ہیں اور یہ کہ قرآن میں جس ذوالقرنین کا ذکر ہے وہ وہی ہے جس کا وزیر ارسطو تھا، اس اعتقاد سے بہت سخت غلطی پیدا ہوتی اور بہت زیادہ فساد لازم آتا ہے اسلئے کہ پہلا شخص (ذوالقرنین) مسلمان صالح اور بادشاہ عادل تھا اور اسکے وزیر خضر علیہ السلام ہیں اور جیسا کہ ہم پہلے ثابت کرچکے ہیں بلاشبہ وہ نبی ہیں اور دوسرا (سکندر یونانی) مشرک تھا اور اس کا وزیر فلسفی تھا۔

اور آگے چلکر فرماتے ہیں

ولا یشتبہ ان الا علی غبی لا یعرف حقایق الامور[۶]

اور یہ دونوں شخصیتیں اس غبی ہی پر مشتبہ ہو سکتی ہیں جو حقائقِ امور سے ناواقف ہو۔

اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ابن جریر نے ایک روایت پیش کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین سکندر تھا۔ لیکن یہ روایت ناقابلِ اعتماد اور ضعیف ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے

---

[۵] البدایہ والنہایہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ - [۶] فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۲۹۴ و ۲۹۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت ابراہیمؑ سے پہلے ذوالقرنین کا باب اسی لئے قائم کیا ہے کہ اس شخص کے قول کو غلط ثابت کریں جو یہ کہتا ہے کہ ذوالقرنین سکندر یونانی تھا۔[۱]

ذوالقرنین کی شخصیت کی تعیین میں دوسرا قول اس سے بھی زیادہ عجیب یہ ہے کہ تاریخ میں دو جدا جدا اسکندر ہیں ایک یونانی اور دوسرا رومی اور ذوالقرنین رومی ہے نہ کہ صاحبِ ارسطو یونانی۔ مگر یہ قول تو کسی طرح بھی درخورِ اعتنا نہیں ہے اسلئے کہ تاریخ کی ابجد سے واقف شخص بھی یہ جانتا ہے کہ سکندر صاحبِ ارسطو ہی یونانی ہے اور رومی بھی بلکہ مقدونی بھی۔ یونان کا باشندہ ہے۔ اور روم و مقدونیہ دونوں اس کی حکمرانی اور شاہنشاہی میں داخل تھے اسلئے رومی اور مقدونی بھی کہلاتا ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ فارس کا مشہور بادشاہ فریدوں "ذوالقرنین" ہے لیکن یہ بھی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس پر بھی ان خصوصیات و امتیازات کا بحیثیت مجموعی اطلاق نہیں ہوتا جن کا ذکر قرآن عزیز نے کیا ہے۔ مثلاً اس کی فتوحات و سیاحت کی مہم شرق و غرب اور بین السدین تک ثابت نہیں ہے۔

ان آراء و خیالات کے مقابلہ میں حافظ عماد الدین بن کثیر، حافظ ابن حجر عسقلانی اور دوسرے اربابِ تحقیق نے اپنا رجحان اس طرف ظاہر کیا ہے کہ زیرِ بحث ذوالقرنین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر ہے اور وہ یونانی نہیں بلکہ حمیری عرب ہے اور یہ کہ اگر اسکندر یونانی کو ذوالقرنین کہا گیا سو تو حمیری کی بعض نمایاں صفات و امتیازات کی مشابہت کے پیشِ نظر کہدیا گیا ورنہ "ذو" کی نسبت عجم سے کوئی تعلق نہیں رکھتی اور حمیری بادشاہوں کے ناموں میں اس نسبت کا اطلاق بہ کثرت پایا جاتا ہے مثلاً ذونواس ذوعین، ذی یزن، ذوجدن۔ اور یہ کہ اس کا نام مصعب بن عبداللہ تھا یا عبداللہ بن ضحاک وغیرہ وغیرہ اور یہ کہ حمیری شعراء کے بعض اشعار میں اس پر فخر کیا گیا ہے کہ ذوالقرنین ان ہی کے خاندان سے تھا۔

یہ قول اگرچہ اکثر عرب مورخ اور جلیل القدر محدثین و مفسرین کا مختار ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے

---

[۱] فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۲۹۴ و ۲۹۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سلسلہ میں بعض آثار بھی نقل کئے ہیں تاہم عرب مورخین اور مفسرین کی بیان کردہ اُس تاریخ کے پیش نظر جو حمیری اور یمنی بادشاہوں کے نام، لقب اور نسب سے متعلق ہے یہ قول بھی درست نہیں بیٹھتا اسلئے کہ یمن کے حمیری بادشاہوں میں ان اوصاف وامتیازات کا کوئی بادشاہ نظر نہیں آتا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر بھی ہو اور ان خصوصیات کا حامل بھی۔ نیز اگر یہ صحیح بھی مان لیا جائے کہ وہ حمیری تھا اور حضرت ابراہیمؑ کا معاصر تو پھر اس قول کے تسلیم کرنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت خضرؑ اس کے وزیر تھے حالانکہ وہ صاحب موسیٰ علیہ السلام ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کا فاصلہ تقریباً پندرہ سولہ سو سال ہوتا ہے اس کے علاوہ اس قول کے قائل یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نے شرق وغرب کو فتح کیا اور اپنے تین بیٹوں پر مملکت کو تقسیم کر دیا تو یہ واقعہ کسی ایسے حمیری بادشاہ پر صادق نہیں آتا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر ہو۔ البتہ تاریخی حقائق کے اعتبار سے فارس کے بادشاہ فریدوں پر یہ ضرور صادق آتا ہے جو حضرت ابراہیمؑ کا معاصر کہا جاتا ہے اور جس نے زبردست فتوحات کے بعد اپنی مملکت کو اپنے تین بیٹوں پر تقسیم کر دیا تھا۔ ان اشکالات کے ماسوا اور بھی چند اہم اشکال سید آلوسی نے اپنی تفسیر میں بیان فرمائے ہیں جو قابل مراجعت ہیںؔ۔ ان تمام شواہد ونظائر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ قول بھی محقق نہیں ہے۔ نیز قرآن عزیز کا اس قصہ کو حضرت موسیٰؑ کے واقعہ سے متصل بیان کرنا بھی کچھ اس جانب اشارہ کرتا ہے کہ ذوالقرنین حضرت ابراہیمؑ کا معاصر نہیں بلکہ حضرت موسیٰؑ کے بعد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل کی شخصیت ہے مگر اس کے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ ایسی شخصیت کا مصداق سکندر یونانی کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں ہے جیسا کہ سید آلوسی کا خیال ہے۔

ان تمام اقوال سے جدا ایک وہ رائے ہے جو استاذ محترم آیۃ من آیات اللہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ

لہ روح المعانی جلد ۱۶ صفحہ ۲۴ و ۲۵۔

© rasailojaraid.com

نور اللہ مرقدہ کا مختار ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین کے معاملہ میں ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو وہ اہل مشرق میں سے تھا جیسا کہ بعض کا خیال فغفورِ چین کی جانب ہے اسلئے کہ اگر وہ مشرقی ہوتا تو قرآنِ عزیز اس کے سفرِ مغرب کے بعد یہ کہتا کہ پھر وہ مشرق کو لوٹ گیا یعنی اپنے وطن کی جانب مراجعت کر گیا، یہ نہ کہتا "واذا بلغ مطلع الشمس" (الآیہ) اور نہ وہ اہل مغرب میں سے تھا بلکہ مشرق و مغرب کے درمیانی علاقہ کا باشندہ تھا، اور راجح یہی ہے کہ وہ یمن کے حمیری بادشاہوں (اذواء الیمن) میں سے بھی نہیں تھا اور نہ عجمی بادشاہوں میں سے وہ کیقباد تھا اور نہ سکندر بن فیلفوس (یونانی) بلکہ عربی نژاد تھا اور قدیم سامی قبائل میں سے کسی قبیلہ کا فرد تھا۔[1]

دراصل حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ نے مختلف آراء کی تحقیق و تفتیش کے بعد صاحبِ ناسخ التواریخ کے قول کو ترجیح دی ہے جیسا کہ خود انھوں نے اس کا حوالہ دیا ہے۔ نیز یہ کہ صاحبِ ناسخ نے اس کا نام مصعب بن ردم بن یونان بن تارخ بن سام بن نوح بتایا ہے۔ انھوں نے صاحب ناسخ کا یہ حوالہ بھی نقل کیا ہے کہ اگر ذوالقرنین کو عجمی بادشاہ گورش (کے ارش یا کیخسرو) ہی مان لیا جائے تو بھی وہ کیقباد نہیں ہے اور یہ دونوں شخصیتیں جدا جدا ہیں اور گورش سلاطینِ بابل (عراق) کے دوسرے طبقہ کا بادشاہ ہے۔[2]

ان اقوال و آراء کے علاوہ بعض اور بھی بہت ضعیف اور کمزور اقوال ہیں جن کو قصداً نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ بہرحال ان تمام نقول کا مقصد یہ ہے کہ تعیینِ شخصیت میں تاریخی اختلافات کے باوجود انبیاء بنی اسرائیل کے صحیفوں، یہودی روایات اور تاریخِ قدیم کے ابواب سب اس حقیقت پر متفق ہیں کہ ذوالقرنین کوئی فرضی اور افسانوی شخصیت نہیں ہے بلکہ تاریخی حیثیت رکھتی ہے اور اس کا سامی اقوام اور سامی قبائل سے تعلق تھا۔ البتہ یہود کے یہاں اس کی تاریخ کی تفصیلی کڑیاں گم ہو گئی تھیں۔

[1] عقیدۃ الاسلام عربی صفحہ ۱۹۷ ۔ [2] صفحہ ۱۹۷

© rasailojaraid.com

ان کو قرآن عزیز نے اس حد تک روشن اور نمایاں کر دیا جس حد تک سائلین کے امتحانی سوال سے تعلق تھا یا جس حد تک اس کے مقصدِ موعظت کیلئے مناسب تھا۔ باقی تفصیلی تاریخ اسکے موضوع سے خارج ہے۔

لیکن اس حد پر پہنچ کر بھی ذوالقرنین کی شخصیت سے متعلق ہم اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں ہو سکتے تا آنکہ یہ واضح نہ کر دیں کہ ان اقوالِ بالا میں سے کونسا قول راجح اور قرینِ بصواب ہے اور قرآن کے بیان کردہ مجموعی اوصاف کس پر ٹھیک ٹھیک صادق آتے ہیں۔

کتب تاریخ و تفسیر کے مطالعہ اور مراجعت کے بعد ہمارے نزدیک اس مسئلہ میں دو رائے زیادہ قابل توجہ اور قرینِ صواب نظر آتی ہیں۔ اگر ان قرائن و شواہد کو ترجیح دیجائے جن سے ذوالقرنین کا وجود انبیاء بنی اسرائیل کے زمانے سے پہلے ثابت ہوتا ہے تو اُستاذِ محترم حضرت علامہ انور شاہ رحمۃ اللہ نے جس قول کو اختیار فرمایا ہے صرف وہی قرینِ صواب ہے وہ یہ کہ ذوالقرنین قدیم سامی قبائل میں سے کسی قبیلہ کا فرد ہے۔ صاحب ناسخ التواریخ یہ زمانہ ہبوط آدمؑ سے (۳۴۶۰) سال بعد بیان کرتا ہے۔ اور یہ مدت زمانۂ تاریخ سے قبل کی ہو جاتی ہے۔"

اور اگر ان قرائن و شواہد کو قابل ترجیح سمجھا جائے جو ذوالقرنین کو انبیاء بنی اسرائیل کے زمانہ میں تسلیم کرتے ہیں تو مولانا ابوالکلام آزاد کا مختار قول اقرب الی الصواب ہے اور اس صورت میں ذوالقرنین کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل کا زمانہ ہے اور بلاشبہ وہ سکندر یونانی نہیں ہے۔ پھر ان ہر دو اقوال میں یہ فرق ہے کہ حضرت استاذ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب (عقیدۃ الاسلام فی حیوۃ عیسی علیہ السلام) میں اس مسئلہ کو ضمنی طور پر بیان فرمایا ہے اور اس جگہ ان کا مطمح نظر ذوالقرنین کی شخصیت کی تعیین نہیں ہے بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی (علیہ ما علیہ) کی ان ہفوات کی تردید مقصود ہے جو یاجوج ماجوج سد اور دجال کے متعلق ہیں اور جن پر قادیانی نے اپنی نبوت اور یسوع مسیح کے دعوے کی بنیاد قائم کی ہے اور یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ یورپ کی موجودہ متمدن اقوام ہی وہ یاجوج ماجوج ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جن کا ذکر قرآنِ عزیز نے کیا ہے اور یہ کہ دجّال ان کے پادری ہیں اور یہی وہ یسوع مسیح ہوں جو قرب قیامت میں آکر ان سب کا استیصال کریگا۔

حالانکہ قادیانی مشن کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اُسنے اقوامِ یورپ کے الحاد و زندقہ و فساد فی الارض اور دجل کو روکنے یا ختم کردینے کی بجائے ممالک اسلامیہ کو یورپ کی بعض حکومتوں کے استعماری عزائم کے حوالہ کرنے اور غلام بنانے، جہاد جیسے فریضہ کی منسوخی کا اعلان کرکے بزعم خود یاجوج ماجوج کو خوش کرنے اور اپنے منکرین پر کفر کا عام فتویٰ دیکر کروروں پرستاران توحید کو کافر اور خارج از اسلام قرار دینے کی علاوہ اور کچھ نہیں کیا۔ اور نام نہاد تبلیغ اسلام کے پردہ میں بھی اپنے مشن کی کامیابی کے علاوہ اسلام کی کوئی خدمت انجام نہیں دی۔"

بہرحال حضرت شاہ صاحب نے اس مقام پر اس مقصد کو پیش نظر رکھکر بحث فرمائی ہے اور ذوالقرنین کے مسئلہ کو اس طرح نہیں لیا کہ گویا وہ تاریخی حیثیت سے اس کا دوٹوک فیصلہ کر رہے ہیں کہ ذوالقرنین کی شخصیت فلاں شخص میں منحصر ہے اسلئے جو کچھ فرمایا ہے کتبِ تاریخ و تفسیر میں بیان کردہ اقوال میں سے ایک قول کو صرف ترجیح دینے پر اکتفا کیا ہے۔

اس کے برعکس مولانا آزاد نے اپنی تفسیر میں اس مسئلہ کی جانب خصوصیت کے ساتھ یہ مقصد پیش نظر رکھکر توجہ کی ہے کہ مستشرقین یورپ قرآنِ عزیز کے اس واقعہ کو اساطیرِ اولین کہکر مذاق اڑاتے اور یہ کہتے ہیں کہ یہ عرب کا اختراعی افسانہ ہے کوئی تاریخی واقعہ نہیں ہے اور نہ دنیا کی تاریخ میں اس شخصیت کا کوئی اتا پتا ہے۔ پس انھوں نے تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ واضح کیا ہے کہ ذوالقرنین کی شخصیت تاریخی شخصیت ہے اور قرآنِ عزیز کا ذوالقرنین اپنے مجموعۂ اوصاف و امتیازات کے ساتھ بلاشبہ تاریخ کا ذوالقرنین ہے۔ مولانا آزاد نے ترجمان القرآن میں اس مسئلہ پر بہت تفصیلی بحث کی ہے جو اپنی جگہ قابلِ مراجعت ہے۔ انھوں نے اس بحث میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ ذوالقرنین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فارس (میڈیا) کا شاہنشاہ "گورش" ہے جسکو خورس، سائرس اور عربی میں کیخسرو کہتے ہیں اور جو دارا کا جد اعلیٰ ہے اور اپنے اس دعویٰ کے ثبوت کے لیے تاریخی حقائق سے یہ ثابت کیا ہے کہ ذوالقرنین سے متعلق قرآن عزیز کے بیان کردہ امتیازات سب کے سب اس کے اندر موجود ہیں۔ مثلاً

(۱) بابل کی شاہنشاہیت کے ہاتھوں بیت المقدس کی تباہی اور پھر خورس (سائرس) کے ہاتھوں دوبارہ اس کی تعمیر نیز سائرس کے ذریعہ بنی اسرائیل کی خوشحالی و آزادی کے متعلق ایکسو ساٹھ سال قبل یسعیاہ نبی کی (۲۱-۲۴) اور ساٹھ سال قبل یرمیاہ نبی کی (۵۰-۱) پیشگوئی اور بشارت بلکہ یسعیاہ نبی کی پیشگوئی میں تو خدا کی طرف سے خورس کو اپنا چرواہا بتایا گیا ہے۔ ۲

اس کے بعد دانیال علیہ السلام نے بیت المقدس کی تباہی اور بنی اسرائیل کی غلامی کے دور میں جو خواب دیکھا تھا۔ اس میں دو سینگوں والے مینڈھے کا تفصیلی تذکرہ اور حضرت دانیال علیہ السلام کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کا اس کی تعبیر یہ بتانا کہ دو سینگوں والے مینڈھے سے مادہ اور فارس کی شاہنشاہیت مراد ہیں سو یہی وہ تخیل تھا جس نے بنی اسرائیل میں سائرس (خورس) کو ذوالقرنین کے لقب سے ملقب کرایا۔ اور آخرکار ان انبیاء علیہم السلام کی یہ پیشگوئیاں حرف بحرف صحیح ثابت ہوئیں اور میڈیا و فارس کی شاہنشاہیت کو قران السعدین بنانے والے خورس نے تقریباً ساڑھے پانچسو سال قبل مسیح بابل جیسے ناقابل تسخیر شہر کو برباد کرکے اور حکومت بابل کو شکست فاش دے کر بنی اسرائیل کو آزاد کیا اور بیت المقدس (ہیکل) کی دوبارہ تعمیر کرائی اور اس کا بحد احترام کیا (عزرا باب ۱)

پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ ذوالقرنین کی شخصیت یہود کے یہاں ایک جانی پہچانی شخصیت تھی اگرچہ ایک عرصے کے بعد اس کی حقیقی تصویر اور متعین و مشخص زندگی کی تفصیلات نظر سے اوجھل ہو گئیں اور بنی اسرائیل ان تفصیلات کو محفوظ نہ رکھ سکے۔ مگر آہستہ آہستہ اس تاریکی سے پردہ اٹھ گیا خصوصاً اصطخر کی کھدائی کے سلسلہ میں خورس (سائرس) کے مجسمہ کا اسی اسرائیلی تخیل کے مطابق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دو سینگوں والا ہونے اور ملکوتی اوصاف سے متصف ظاہر ہونے نے نیز دارا کے کتبہ والے ستون کی تاریخی تفصیلات نے اس معاملہ کو حقیقی صورت و شکل میں ظاہر کر کے تمام گنجلکوں کو دور کر دیا۔

(۲) اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ ذوالقرنین کا یہ لقب قرآن عزیز کا تجویز کردہ نہیں ہے بلکہ بنی اسرائیل اور خود اس کی اپنی قوم کا تجویز کردہ ہے۔

(۳) بنی اسرائیل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بنا پر امتحان و آزمائش کے طور پر یہ سوال کیا یا کرایا کہ عرب عام طور سے اس کی شخصیت سے نا آشنا تھے اور بنی اسرائیل کیلئے یہ شخصیت خاص طور پر متبرک و مقدس تھی اور انبیاء بنی اسرائیل کی بشارت و پیشگوئیوں کا نتیجہ۔

(۴) انھوں نے تفصیل کے ساتھ یہ بھی ثابت کیا ہے کہ سائرس کی تاریخ ان تین مہموں سے اسی طرح وابستہ ہے جس طرح قرآنِ عزیز نے ان کا ذکر کیا ہے۔

(۵) پہاڑی علاقہ کی جانب سفر میں جس سد کا قرآنِ عزیز نے ذکر کیا ہے اور اپنے خاص انداز میں سد کے جائے وقوع اور مختصر تفصیل کو جس طرح بیان کیا ہے وہ صرف اسی سد پر صحیح اترتی ہے جو سائرس (خورس) نے تعمیر کرائی (اس کے متعلق تفصیل عنقریب یاجوج ماجوج کی بحث میں بیان کی جائیگی)۔

(۶) وہ بلا شبہ عادل اور شفیق و مہربان بادشاہ تھا اور مظلوم قوموں کیلئے اس کی شخصیت خدا کے فرستادہ کی طرح ثابت ہوئی یہود کی آزادی، انکا اور بیت المقدس کا احترام اور تحت قوموں کے ساتھ انصاف کا واقعہ اسکی روشن دلیل ہیں

(۷) دارا کے کتبہ والے ستون سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سائرس (کیخسرو) مسلمان خدا پرست اور راست باز انسان تھا اور اپنے زمانہ کے پیغمبر کی سچی تعلیم کا مبلغ و داعی تھا۔

(۸) اس کی سد نے یاجوج و ماجوج کے لئے واقعی پہاڑ کے اُس طرف کی راہ کو بند کر دیا اور باہر کی قومیں ان کی لوٹ مار سے بچ گئیں۔

(۹) وہ طامع نہ تھا اس لئے اس نے اس سد کے بنانے میں شکایت کرنیوالی قوم پر کوئی ٹیکس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں لگایا اور ان کو اپنے حرص و آز کا شکار نہیں بنایا، اور یہ سب واقعات سائرس کی تاریخ میں محقق ہیں۔

غرض تاریخ کی روشنی میں اس کی شخصیت قرآن عزیز کے بیان کردہ ذوالقرنین پر بغیر کسی تاویل اور توڑ مروڑ کے ٹھیک منطبق ہوتی ہے اس لئے اس کی شخصیت کو افسانوی قصہ بتانا تاریخی حقائق کو جھٹلانا ہے۔

پس سطورِ بالا تفصیلات کے بعد ہمارا خیال یہ ہے کہ ذوالقرنین کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد متعین ہے اور اگر وہ واقعی خورس (کیخسرو) ہے تو یہ مستبعد نہیں ہے اس لئے کہ اس کی شاہنشاہیت کا مشہور کارنامہ یعنی بنی اسرائیل کو بابل کی حکومت سے آزاد کرانا، بیت المقدس کو دوبارہ تعمیر کرانا، اور مذہبِ یہود کی عزت و حرمت کو اپنا شعار بنانا اس بات کو بہت زیادہ وزنی بنا دیتا ہے کہ یہود کو اس سے خاص شغف رہا ہے اور اس لئے اس کا سکہ ان کے قلوب پر بیٹھا ہوا تھا اور وہ کسی نبی کی صداقت کے لئے یہ ضروری سمجھتے تھے کہ اس کو خدا کے مقبول مذہبِ موسوی کے نجات دہندہ کا حال معلوم ہونا چاہئے کہ جس کی آمد کا حال انبیاءِ بنی اسرائیل نے آمد سے پہلے سنا دیا تھا نیز یہ کہ یہ نہ رومی ہے اور نہ یونانی بلکہ اگر عرب مورخین کی روایات کو پیشِ نظر رکھا جائے تو یہ تسلیم کرنے میں بھی کوئی استبعاد نہیں ہے کہ فارس کے بادشاہوں کا یہ سلسلہ کہ جس میں ضحاک کیقباد اور کیخسرو داخل ہیں اصل نسب کے اعتبار سے "سامی النسل" ہیں۔ نہ کہ آریں قبائل کی نسل سے۔

پس تعیین و تشخیص کے متعلق مولانا آزاد کی رائے اگرچہ بحث و نظر کا دروازہ حتمی اور قطعی طور پر بند نہ کرتی ہو لیکن اس کے راجح اور محقق ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

اور سکندر یونانی اور اس کے استاذ و وزیر ارسطو کو مسلمان ماننے اور قرآنِ عزیز کی آیات کا اس کو مصداق بنانے کے مقابلہ میں تو ان کی یہ تحقیق بدرجہا زیادہ قابلِ قبول اور جاذبِ توجہ ہے۔

(باقی)

© rasailojaraid.com